مباحثہ ومکالمہ

حافظ صلاح الدین یوسف

کیا غامدی فکر ومنہج ائمہ سلف کے فکر ومنہج کے مطابق ہے؟

غامدی صاحب کے دعوائے مطابقت کا جائزہ -۷

روایات رجم میں جمع وتطبیق کے بعد باہم کوئی تعارض نہیں رہتا

روایات رجم کے اس تبصرۂ نامرضیہ میں البتہ دو چیزوں نہایت قابل غور ہیں جوان فی ذلك لعبرة لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید کی مصداق ہیں:

ایک یہ کہ رجم کی کئی حدیثوں میں اس حد کو اللہ کا فیصلہ یا اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ جس ایک روایت (حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی) سے غامدی صاحب نے بھی استدلال کیا ہے، اگر چہ اسے اپنی روایتی چالاکی کے مطابق غلط رنگ میں پیش کیا ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حد کو اللہ ہی کی طرف منسوب کیا ہے: قد جعل الله لهن سبیلا ۔لیکن ان روایات میں بیان کردہ اس حقیقت ثابتہ کو شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے ہیں اور اس پر کچھ خامہ فرسائی نہیں فرمائی؛ صرف روایات کو کنڈم کرنے ہی کو کافی سمجھ لیا کہ جب یہ روایات ہی (نعوذ باللہ) بے ہودہ یا 'منافق کی گھڑی ہوئی' ہیں۔ (برہان، ص 62-61) تو پھر ان کے ایک ایک جز پر بحث کی ضرورت ہی کیا ہے؟

دوسری بات؛ جس ایک روایت سے موصوف نے 'استدلال' کیا ہے، اس میں بھی ایک تضاد موجود ہے لیکن اس تضاد کو نہایت آسانی سے ایک توجیہ کر کے خود ہی دور یا حل کر دیا ہے؛ فرماتے ہیں:

> ''رجم کے ساتھ اس روایت میں سو کوڑے کی سزا بھی بیان ہوئی ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ محض قانون کی وضاحت کے لیے ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ نبی نے رجم کے ساتھ زنا کے جرم میں کسی شخص کو تازیانے کی سزا نہیں دی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت کی سزا کے ساتھ کسی اور سزا کا جمع کرنا حکمتِ قانون کے خلاف ہے؛ قانون کی یہ حکمت اسلامی شریعت ہی نہیں، دنیا کے مہذب قانون میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔ حبس، تازیانہ، جرمانہ، ان سب سزاؤں میں دو باتیں پیش نظر ہوتی ہیں: ایک معاشرے کی عبرت، دوسرے آیندہ کے لیے مجرم کی تادیب وتنبیہ؛ موت کی صورت میں ظاہر ہے کہ تادیب وتنبیہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ اس

وجہ سے جب مختلف جرائم میں کسی شخص کو سزا دینا ہو اور ان میں سے کسی جرم کی سزا موت بھی ہو تو باقی سب سزائیں کالعدم ہو جاتی ہیں۔‘‘ (برہان، ص 127)

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی یہ روایت ہے جو اہل اسلام کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ واضح دلیل ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شادی شدہ زانیوں کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ کے لیے کوڑے ہیں لیکن اس روایت میں سو کوڑوں کے ساتھ جلاوطنی کی اور رجم کے ساتھ کوڑوں کی سزا کا بھی ذکر ہے؛ اس ظاہری تضاد کو بعض دوسری روایات اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل نے دور کر دیا کہ رجم کے ساتھ آپ نے عملاً کوڑوں کی سزا نہیں دی۔ اس طرح کنوارے کے لیے کوڑوں کے ساتھ جلاوطنی کی سزا کو بھی دوسری روایات کی روشنی میں تعزیر کے زمرے میں رکھ کر حالات وضروریات کے مطابق حاکم وقت کے لیے گنجایش رکھی ہے کہ وہ چاہے تو دے دے؛ ورنہ کوڑوں کی سزا ہی کافی ہوگی۔ اس طرح نہایت آسانی سے روایات میں سزاؤں میں کمی بیشی کا جو مسئلہ ہے جس کو غامدی صاحب تناقض باور کرا کے سب کو ناقابل اعتبار قرار دے رہے ہیں، آسانی سے حل ہو جاتا ہے اور تعارض اور تناقض باقی نہیں رہتا؛ اس کو محدثین کی اصطلاح میں ’جمع وتطبیق‘ کہا جاتا ہے۔ اس طرح اور بھی بعض مسائل کی روایات میں اس طرح کے ظاہری تعارض کو بلکہ قرآن کریم کی بعض آیات کے ظاہری تعارض کو دور کیا گیا ہے لیکن ائمہ سلف اور فقہا ومحدثین نے کبھی یہ روش اختیار کر کے یہ نہیں کہا کہ یہ روایات باہم متناقض ہیں؛ ان پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر غامدی صاحب اپنے اس دعوے میں سچے ہوتے کہ ’’میرے اور ائمہ سلف کے موقف میں بال برابر فرق نہیں ہے‘‘ تو وہ بھی ان روایات رجم کو اپنی سخن سازیوں کے ذریعے سے ان میں بے معنی اشکالات پیدا کر کے اور ان کو الگ الگ دے کر نہایت بھونڈے انداز میں پیش کر کے ساقط الاعتبار قرار نہ دیتے بل کہ احادیث رسول کا احترام کرتے ہوئے ان کے مابین معمولی سے ظاہری تعارض کو ائمہ سلف کی طرح آسانی سے دور کر سکتے تھے جیسا کہ محدثین اور فقہا نے کیا ہے۔

اس میں دلچسپ لطیفہ یہی ہے کہ موصوف نے ایک روایت رجم کو اپنے مطلب کی سمجھ کر اس سے اپنے مفہوم تو اخذ کر لیا اور اس سے اوباشی کی سزا بھی ’مستنبط‘ فرمائی جب کہ اس میں قطعاً اس سزا کا اشارہ تک بھی نہیں ہے تاہم انھوں نے جیسا کچھ استدلال کیا، اس سے قطع نظر، استدلال تو کیا لیکن اس میں بھی تعارض موجود تھا جس کا حل آپ نے ان کے اقتباس میں ملاحظہ کر لیا ہے؛ یہی حل اور جمع وتطبیق کی اسی قسم کی صورتیں ائمہ سلف اور محدثین نے بھی پیش کی ہیں، وہ کیوں ناقابل قبول ہیں؟ اسی لیے ناقابل قبول ہیں کہ اصل مقصود احادیث کا رد اور ان کا انکار ہے اور یہ انکار کیوں ہے؟ کہ اس کے بغیر ان کا خانہ ساز نظریہ رجم ع ’پاے چوبیں سخت بے تمکین بود‘ کا مصداق ثابت ہو جاتا ہے۔

اپنے بلند بانگ دعوے کی خود ہی تردید

ذرا دیکھیے غامدی صاحب کتنی بلند آہنگی کے ساتھ احادیث رجم کو ناکارہ ثابت کرنے کے بعد دعویٰ کرتے ہیں:

’’رجم کے بارے میں یہی روایات ہیں جو احادیث کی کتابوں میں مختلف طریقوں سے بیان ہوئی ہیں؛

ان کا ذرا تدبر کی نگاہ سے مطالعہ کیجیے۔ پہلی بات جو ان روایات پر غور کرنے سے سامنے آتی ہے، وہ ان کا باہمی تناقض ہے جسے نہ ان پچھلی تیرہ صدیوں میں کوئی شخص کبھی دور کرنے میں کام یاب ہوا ہے اور نہ اب ہوسکتا ہے۔'' (برہان، ص60)

غامدی صاحب کا انصاف بھی ملاحظہ ہو اور عقل و دانش کی مقدار بھی (جس کی وہ مدارس دینیہ سے نفی کرتے ہیں) (برہان، ص75) کہ جن روایات کو ہدف تنقید بنا کر ان کو رد کیا ہے، ان میں سب سے پہلی روایت وہی ہے جس کو خود اپنے استدلال میں انھوں نے پیش کیا ہے؛ اگر ان میں عقل و دانش کی تھوڑی سی بھی مقدار ہوتی تو وہ ان 'مجروح اور مطعون' روایات میں کم از کم اس روایت کو تو شامل نہ کرتے جس کو خود انھوں نے بنائے استدلال بنایا ہے۔

اور ان کا انصاف بھی دیکھیے کہ ایک طرف فرما رہے ہیں کہ ''ان روایات کا باہمی تناقض پچھلی تیرہ صدیوں میں کوئی شخص کبھی دور کرنے میں کام یاب ہوا ہے اور نہ اب ہوسکتا ہے۔'' لیکن پھر خود ہی عبادہ بن صامت کی 'مجروح و مطعون' روایت کا تضاد بھی ایک توجیہ پیش کر کے دور کر دیا ہے؛ چہ خوب؟

محترم! آپ تیرہ صدیوں کے ائمہ، فقہا اور محدثین کی بابت نہایت بلند آہنگی سے دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ ان کا باہمی تناقض دور نہیں کر سکے؛ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس دعوے کو آپ ہی کی 'زبان مبارک' سے غلط ثابت کر دیا۔ آپ نے جو ایک روایت کی توجیہ کر کے اس کا تناقض دور کیا ہے؛ یہ حل آپ کا نہیں ہے، ائمہ سلف ہی کا ہے؛ اسی لیے تو تمام روایات رجم تیرہ صدیوں ہی سے نہیں، چودہ صدیوں سے مسلم چلی آ رہی ہیں؛ کسی امام، فقیہ، محدث نے نہیں کہا کہ روایات رجم باہم متناقض ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں؛ اس لیے کہ جن باہم متعارض روایات کا توجیہ یا جمع و تطبیق کے ذریعے سے محمل تلاش کر لیا جاتا ہے، اس کے بعد نہ ان کے تعارض کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اور نہ ان کا رد کیا جاتا ہے۔

غامدی صاحب کی ایک اور زیرکی و فن کاری

ایک اور نہایت دلچسپ لطیفہ یا غامدی صاحب کی زیرکی یا ہاتھ کی صفائی ملاحظہ ہو کہ پندرھویں صدی ہجری ہے لیکن غامدی صاحب حوالہ دے رہے ہیں 'پچھلی تیرہ صدیوں' کا؛ ایک صدی یا سوا صدی کا زمانہ درمیان سے ہی خارج کر دیا ہے؛ یہ کیا ہے؟ یہ کوئی ذہول یا نسیان ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ یہ ان کے ہاتھوں کی وہ صفائی ہے جس میں وہ بڑے مشاق ہیں؛ اس عبارت میں بھی انھوں نے اسی فن کاری کا مظاہرہ کیا ہے؛ وہ کس طرح؟ ملاحظہ فرمائیں:

آپ ان کے پچھلے اقتباسات میں پڑھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت پوری امت مسلمہ کو رجم کی سزا کا تو علم تھا اور نبی اور خلفاے راشدین نے یہ سزا دی بھی لیکن یہ کسی کو علم نہیں تھا کہ یہ سزا ہے کس جرم کی؟ اس عقدے کو 'تیرہ صدیوں' کے بعد امام فراہی نے حل کیا کہ یہ سزا دراصل اوباشی اور آوارہ منشی کی تھی۔

فراہی صاحب کی تاریخ ولادت 1280ھ مطابق 1863ء اور تاریخ وفات 1349ھ ہے؛ گویا ان کا زمانہ آج سے ایک صدی یا اس سے کچھ زیادہ 'قبل کا ہے؛ اب یہ پندرھویں صدی ہے؛ اس پندرھویں صدی سے ایک صدی نکال

دیں تو چودھویں صدی نکل جاتی ہے اور تیرھویں اور چودھویں صدی فراہی صاحب کا عرصہ حیات ہے اور جب مسئلہ رجم کی عقد کشائی فراہی صاحب سے پہلے نہیں ہوئی تو امت مسلمہ کی تاریکی کا دور جس میں وہ اپنے پیغمبر سمیت ڈوبی رہی، تیرہ صدیوں تک ہی محیط بنتا ہے؛ اس تاریکی سے صاحبِ وحی ورسالت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور ان کی امت کو بھی تیرہ صدیوں کے بعد چودھویں صدی میں امام فراہی نے نکالا؛ یوں غامدی صاحب کے اس فرمان سے کہ ''روایات کے تناقض کو پچھلی تیرہ صدیوں میں کوئی شخص دور کرنے میں کام یاب ہوا ہے اور نہ اب ہوسکتا ہے'' اس تناقض کو دور کرنے کا کریڈیٹ اپنے امام کو دینا مقصود ہے؛ اس لیے انھوں نے چودہ صدی کے بجائے تیرہ صدی کے الفاظ استعمال کرکے نہایت چابک دستی اور فن کاری کا مظاہرہ کیا ہے: ع

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

'پچھلی تیرہ صدی' کے الفاظ میں یہی پردہ داری تھی جس کی پردہ دری اللہ کی توفیق سے ہم نے کردی ہے؛ دلوں کے بھید تو یقیناً اللہ ہی جانتا ہے لیکن لفظوں کا ہیر پھیر بھی بسا اوقات باطن کی غمازی کردیتا اور دلوں کے راز اگل دیتا ہے۔

لیکن ہم غامدی صاحب اور ان کے ہم نواؤں سے عرض کریں گے کہ امت کے اس دورِ ظلمت کو تیرہ صدیوں تک ہی نہ رکھیں بلکہ اس کو از عہد رسالت تا ایں دم ہی رہنے دیں؛ امت مسلمہ کو اپنی اسی تاریکی میں رہنا پسند ہے جس میں اس کے رسول، اس کے خلفاے راشدین اور امت کے تمام ائمہ وفقہا اور محدثین رہے ہیں؛ ان کو اپنی اس تاریکی پر فخر ہے کیوں کہ اس کے پس منظر، پیش منظر اور تہ منظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور خلفاے راشدین سمیت تمام صحابہ ہیں اور پوری امت کے ائمہ حدیث وفقہ اور اساطین علم ہیں اور ہمارے فخر کے لیے یہی کافی اور بس ہے۔ ہمیں ایسی 'روشنی' نہیں چاہیے جس سے ہمارا سررشتہ احادیث رسول سے کٹ جائے؛ سنت خلفاے راشدین سے کٹ جائے اور ہماری راہ امت مسلمہ کے جادہ مستقیم سے ہٹ جائے۔

مغالطات، تضادات اور بلا دلیل دعوے

الحمد للہ گذشتہ مباحث سے واضح ہوگیا کہ حدیث وسنت کے معاملے میں مفہوم ومطلب سے لے کر اس کی حجیت تک، فراہی نظریہ ائمہ سلف سے یک سر مختلف ہے۔ اہل اسلام کے نزدیک حدیث وسنت ہم معنی الفاظ ہیں؛ حدیث کہو یا سنت، دونوں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال اور تقریرات ہیں۔ یہ دین میں حجت ہیں؛ ان سے قرآن کے عموم کی تخصیص جائز ہے؛ یہ قرآن کی وہ تبیین ہے جس کا حکم اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت: وَانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (النحل 44:16) میں دیا اور اس کے مطابق آپ نے ایسے کئی احکام بیان فرمائے جو قرآن میں نہیں ہیں؛ صحابہ کرام نے ان کو تسلیم کیا اور آج تک وہ مسلم چلے آرہے ہیں۔

یہ مباحث علمی دلائل کے ساتھ پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں؛ ان میں بعض جگہ قارئین تکرار بھی محسوس کریں گے

لیکن تشریح وتوضیح اور غامدی صاحب کے رنگ بدل بدل کر یا پینترا بدل بدل کر سخن سازی کی نوعیت وحقیقت واضح کرنے کے لیے ناگزیر تھی۔ اب ہم اگلے صفحات میں ان کے دام ہم رنگ زمین کا شکار ہونے والے خام ذہن کے لوگوں کے لیے ان کے چند تضادات، مغالطات اور بلا دلیل دعووں کی وضاحت کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ اگر ان کو سوچنے سمجھنے کی توفیق دے تو وہ ان صاحب کی اصل شخصیت اور روپ بہروپ کو اصل شکل میں دیکھ سکیں؛ ان شاء اللہ اس میں ان کے لیے ان فی ذلك لعبرة لاولی الابصار کا سامان ہوگا۔

مغالطہ انگیزی

موصوف کی ایک صفت یا مجبوری، دیگر اہل باطل کی طرح، مغالطہ انگیزی ہے جس کے نمونے پچھلے صفحات میں گزرے ہیں؛ اس لیے کہ ان کا سارا موقف یا نظریہ ہی مغالطات پر مبنی ہے؛ مثلاً:

1۔ دیکھیے! ان کا یہ دعویٰ کتنا بڑا مغالطہ ہے کہ میرے موقف اور ائمہ سلف کے موقف میں سرمو (بال برابر) فرق نہیں ہے؛ کیا یہ حقیقت ہے یا جھوٹ؟ یقیناً جھوٹ بلکہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ ہے؛ پھر یہ مغالطہ انگیزی، فریب کاری اور دجل وتلبیس کے سوا کیا ہے؟

موصوف لکھتے ہیں:

''تنقید سے بالاتر اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف کتاب وسنت ہیں اور ان کی تعبیر وتشریح کا حق ہر اس شخص کو حاصل ہے جو اپنے اندر اس کی اہلیت پیدا کرلے۔'' (برہان، ص 37)

یہاں 'کتاب وسنت' کے الفاظ کا استعمال بھی سراسر فریب کاری اور یہ تاثر دینا ہے کہ وہ بھی اہل اسلام کی طرح کتاب وسنت کو تنقید سے بالاتر سمجھتے اور ان کی حقانیت کے قائل ہیں، لیکن کیا واقعی ایسا ہے؟ ہرگز نہیں؛ ان کے نزدیک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں محفوظ ہی نہیں ہیں۔ احادیث کے مجموعوں میں سنتیں ہی درج ہیں؛ اس لیے محدثین نے اپنے مجموعہ احادیث کے ناموں ہی میں 'سنن' کا لفظ ساتھ رکھا ہے: سنن ابی داود، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، سنن ترمذی وغیرہ اور ان سب میں احادیث رسول فقہی ابواب کے مطابق جمع ہیں۔ موصوف نے پہلے حدیث اور سنت دونوں کو الگ الگ کر دیا؛ احادیث کو ویسے ہی مشکوک یا غیر محفوظ یا (نعوذ باللہ) قرآن کے خلاف اور قرآن میں تغیر وتبدل قرار دے دیا۔ جس کو وہ سنت کہتے ہیں، اس کا کہیں کسی کتابی شکل میں وجود یا ریکارڈ ہی نہیں ہے؛ ان کا وجود اگر کہیں ہے تو صرف غامدی صاحب کے نہاں خانہ قلب میں ہے یا وہ ان کے لوح حافظہ پر ثبت ہیں اور دونوں جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں ان کے علاوہ ان کو کوئی اور ملاحظہ کر ہی نہیں سکتا؛ اگر کہا جائے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان سنتوں کی بنیاد عملی تواتر ہے تو عملی تواتر کی اصلاح تو یک سر مبہم ہے۔ اہل اسلام کے نزدیک تو تمام احادیث صحیحہ عملی تواتر سے ثابت ہیں؛ اس معنی میں کہ ان احادیث کو اپنی کتابوں میں درج کرنے والوں نے اپنے سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اسناد کا اتصال ثابت کیا ہے؛ اسی لیے صحیح حدیث کہا ہی اس کو جاتا ہے جو مرفوع ومتصل ہو اور سلسلہ رواۃ عادل، ضابط

اور ثقہ افراد پر مبنی ہو؛ یہ قولی اور عملی تواتر کا ایسا بے مثال نمونہ ہے جس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ انسانیت میں نہیں ہے۔

علاوہ ازیں انھوں نے ان سنتوں کی بھی تحدید کر دی ہے کہ وہ 27 ہیں؛ اگر کہا جائے کہ ان کے عملی تواتر کی بنیاد یا ثبوت کیا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ اس کا آغاز صحابہ ہی سے کیا جائے گا؛ سوال یہ ہے کہ صحابہ نے صرف ان 27 سنتوں ہی پر عمل کیا تھا یا تمام سنتوں (احادیث) پر عمل کیا تھا؟ اس لیے سب سے پہلے تو اس سوال کا جواب اور اس کا ثبوت دیا جائے کہ صحابہ نے صرف ان 27 اعمال ہی کو سنت سمجھ کر عمل کیا اور دوسرے تمام اعمال کو غیر سنت سمجھ کر عمل نہیں کیا۔ اگر صحابہ نے بغیر تحدید (حد بندی) کے ہر سنت وحدیث پر عمل کیا ہے اور یقیناً انھوں نے ایسا ہی کیا ہے اور اس کا ثبوت کتابوں میں محفوظ احادیث نبویہ ہیں اور صحابہ کو دیکھ کر تابعین وتبع تابعین نے کیا؛ وَھَلُمَّ جرّا۔ اسی طرح تمام احادیث رسول پر تمام صحیح العقیدہ والعمل مسلمان عمل کرتے آ رہے ہیں؛ اس اعتبار سے تمام احادیث عملی تواتر کا نمونہ ہیں۔ اب یہ غامدی گروپ کی ذمے داری ہے کہ وہ اس ذخیرہ احادیث سے ماورا اپنی 27 سنتوں کا تحریری ثبوت نسل در نسل کے حساب سے پیش کریں جیسے الحمدللہ ہمارے پاس تمام سنتوں (حدیثوں) کا نسلاً بعد نسلٍ تحریری ثبوت موجود ہے۔

غامدی صاحب کے نزدیک 'سنت' کیا ہے؟

اس کی وضاحت غامدی صاحب نے اپنی مایہ ناز کتاب 'میزان' میں پوری تفصیل سے کی ہے؛ اقتباس اگرچہ طویل ہے لیکن انھی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں تو بہتر ہے تاکہ دنیا دیکھ لے کہ ان کے موقف اور ائمہ سلف کے موقف میں کتنا بعد المشرقین ہے اور ان کے درمیان اتنی وسیع خلیج حائل ہے کہ جسے لفاظی اور سخن سازی سے پاٹنا ناممکن ہے؛ موصوف اپنی نو دریافت 27 سنتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قرآن سے پہلے ہی (عرب معاشرے میں) یہ سب چیزیں پہلے سے رائج، معلوم ومتعین اور نسلاً بعد نسلٍ جاری ایک روایت کی حیثیت سے پوری طرح متعارف تھیں؛ چناں چہ اس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ قرآن ان کی تفصیل کرتا؛ لغت عرب میں جو الفاظ ان کے لیے مستعمل تھے، ان کا مصداق لوگوں کے سامنے موجود تھا۔ قرآن نے انھیں نماز قائم کرنے یا زکاۃ ادا کرنے یا روزہ رکھنے یا حج وعمرہ کے لیے آنے کا حکم دیا تو وہ جانتے تھے کہ نماز، روزہ، زکات اور حج وعمرہ کن چیزوں کے نام ہیں؛ قرآن نے ان میں سے کسی چیز کی ابتدا نہیں کی، ان کی تجدید واصلاح کی ہے اور وہ ان سے متعلق کسی بات کی وضاحت بھی اسی حد تک کرتا ہے جس حد تک تجدید واصلاح کی اس ضرورت کے پیش نظر اس کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔

اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں:

''دین ابراہیمی کی روایت کا یہ حصہ جسے اصطلاح میں سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ قرآن کے نزیک خدا کا دین ہے۔'' (میزان، ص 46)

سمجھے آپ؟ آپ غامدی صاحب کی نو دریافت سنتوں کی فہرست پر جو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں، ایک نظر ڈال لیں؛ ان کی بابت ان کا کہنا یہ ہے کہ عربوں میں یہ پہلے ہی متعارف تھیں؛ لغت عرب کی رو سے بھی یہ چیزیں ان کا مصداق

تھیں؛ جب قرآن نے بھی ان کے کرنے کا حکم دیا تو ایسا نہیں ہے کہ یہ صرف قرآن کا حکم ہے،اس نے ان کی ابتدا کی ہے بلکہ ان کو پہلے ہی معلوم تھا کہ نماز، روزہ، زکات اور حج وعمرہ کن چیزوں کے نام ہیں؟اس ساری درازنفسی کا مقصد کیا ہے؟ صرف یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ قرآن میں کہ نماز، روزہ، زکاۃ وغیرہ کے جو احکام ہیں، ان کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے جو احادیث میں محفوظ ہے؛ اس اقتباس میں غامدی صاحب نے کمال ہشیاری اور نہایت فن کاری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرح وتفصیل کے منصب سے بھی فارغ کر دیا ہے۔ جب اس شرح وتفصیل کی ضرورت ہی نہیں ہے؛ عربوں کو معلوم تھا کی اللہ نے نماز پڑھنے کا، زکاۃ ادا کرنے کا، حج وعمرہ کرنے کا حکم دیا ہے وغیرہ وغیرہ تو وہ چوں کہ پہلے ہی ان پر عمل پیرا تھے؛ وہ ان سے متعارف تھے، انھوں نے اس پر عمل شروع کر دیا؛ ان کو ان کا طریقہ یا ان کی تفصیل پیغمبر سے معلوم کرنے کی نہ ضرورت تھی اور نہ یہ آپ کا منصب ہی تھا؛ زیادہ سے زیادہ آپ نے جو کام کیا، وہ صرف ان کی اصلاح وتجدید تھی۔

لیکن اصلاح وتجدید بھی نہایت مبہم اصطلاح ہے اور مقطع میں سخن گسترانہ انداز کی بات ہے۔۔۔۔۔ ورنہ اصلاح و تجدید کا مفہوم تو اس وقت تک واضح نہیں ہوسکتا جب تک یہ واضح نہ کیا جائے کہ قرآن کے حکم یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح وتفصیل سے پہلے عرب معاشرے کے لوگ نماز کس طرح پڑھتے تھے؛ زکاۃ کس طرح ادا کرتے تھے؛ قربانی کس طرح کرتے تھے وغیرہ وغیرہ؛ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ یہ تجدید اور یہ یہ اصلاح کی۔ اگر ان تمام احکامات کا طریقہ وہی تھا جس پر صحابہ کرام نے نزول قرآن کے وقت یا بعد میں عمل کیا، پھر تو واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرح وتفصیل یعنی احادیث کی ضرورت نہیں رہتی اور غامدی گروپ جو رسول اللہ کو قرآن کے شارح اور مبین کی حیثیت سے فارغ کرنا چاہتا ہے، اس کی ایک معقول وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔ لیکن اگر غامدی گروپ کی طرف سے یہ وضاحت نہیں کی جاتی تو اس بے بنیاد سخن سازی کا مقصد اس کے سوا کیا ہے کہ دراصل یہ گروہ احادیث رسول کو یک سر بے فائدہ اور ایک دفتر بے معنی باور کرانا چاہتا ہے کہ ان تمام احکامات کو عرب پہلے ہی جانتے تھے؛ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوئی توضیح وتفصیل نہیں کی ہے؛ اگر کی بھی ہے تو ان کی کوئی حیثیت نہیں؛ اصل سنت تو دین ابراہیمی کی روایت ہے جسے اصطلاح میں سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سیاق میں دیکھ لیجیے، سنت سے مراد سنت نبوی ہے جو اہل اسلام میں متعارف ہے یا اہل جاہلیت کی سنت ہے جسے دین ابراہیمی کی روایت کا خوش نما عنوان دیا گیا ہے؟ موصوف نے دین ابراہیمی کی روایت کی جس طرح توضیح کی ہے، وہ تو اس وقت تک اہل جاہلیت ہی کی سنت سمجھی جائے گی جب تک وہ عربوں کے طریقہ نماز وزکاۃ کی تفصیل بھی بیان نہیں کریں گے کیوں کہ قرآن نے مجمل طور پر تو بعض چیزوں کی بابت یقیناً وضاحت کی ہے کہ پچھلی شریعتوں میں بھی ان کا سلسلہ تھا جیسے قربانی کا تصور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے ہی سے ملتا ہے؛ نماز، زکاۃ، روزہ، حج، عمرہ کا بھی ذکر ملتا ہے مگر محض ان چند چیزوں کے ناموں کے ذکر سے کیا معلوم ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے کہ وہ نماز کس طرح پڑھتے تھے؟ زکاۃ کی ادائیگی کی کیا صورت تھی؟ حج، عمرہ کس طرح کرتے تھے؟ روزہ کس طرح رکھتے تھے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان کا

طریقہ اور ان کی تفصیلات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمائی ہیں جس سے جان چھڑانے کے لیے یہ سارے پاپڑ بیلے جا رہے ہیں لیکن ان بے معنی سخن سازیوں اور یک سرے بے بنیاد دعووں اور باتوں سے تو احادیث کی تشریعی حیثیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا: ع پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

غامدی صاحب چاہتے ہیں، سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے؛ حدیث رسول کی تشریعی حیثیت بھی ایک سوالیہ نشان بن جائے اور اس کا الزام بھی ان کے سر نہ آئے؛ اس لیے وہ بار بار سنت کا نام بھی لیتے ہیں اور اس کے سینے میں چھرا گھونپنے سے باز بھی نہیں آتے: ع

کیا خوب پردہ ہے چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

مزید سنیے، سنت کے اسی جاہلی تصور کی بابت لکھتے ہیں:

''سنت قرآن کے بعد نہیں بلکہ قرآن سے مقدم ہے؛ اس لیے وہ لازماً اس کے حاملین کے اجماع وتواتر ہی سے اخذ کی جائے گی؛ قرآن میں جن احکام کا ذکر ہوا ہے، ان کی تفصیلات بھی اسی اجماع وتواتر پر مبنی روایت سے متعین ہوں گی؛ انھیں قرآن سے بہ راہ راست اخذ کی کوشش نہیں کی جائے گی جس طرح کہ قرآن کے بہ زعم خود بعض مفکرین نے اس زمانے میں کی ہے اور اس طرح قرآن کا مدعا بالکل الٹ کر رکھ دیا ہے۔'' (میزان، ص 47)

قرآن سنت سے مقدم ہے، پڑھ کر اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیے کہ غامدی صاحب نے سنت کی اہمیت کو تسلیم کر لیا ہے بلکہ یہاں سنت سے مراد وہی اہل جاہلیت کی سنت ہے جو یقیناً قرآن کے نزول سے پہلے تھی؛ اس لیے کہ پچھلے اقتباس میں وہ وضاحت کر چکے ہیں کہ عرب نزول قرآن سے پہلے نماز، زکاۃ، روزہ وغیرہ سے متعارف تھے، اس لیے قرآن میں ان کی تفصیلات کا ذکر ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شرح وتفصیل بیان کرنے کی ضرورت تھی۔ اس لحاظ سے ظاہر بات ہے کہ یہ سنت جاہلیہ اور بہ قول غامدی صاحب دین ابراہیمی کی روایت قرآن سے پہلے یعنی قرآن پر مقدم ہے یعنی قرآن میں نازل ہوا ہے اور عرب ان سنتوں پر پہلے ہی سے عمل پیرا تھے؛ اسی لیے وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ سنت لازماً اس کے حاملین کے اجماع وتواتر ہی سے اخذ کی جائے گی؛ قرآنی احکام کی تفصیلات بھی اسی اجماع وتواتر پر مبنی روایت سے متعین ہوں گی؛ انھیں قرآن سے بہ راہ راست اخذ کی کوشش نہیں کی جائے گی۔

جب سنت وہ ہے جس پر اہل عرب قرآن سے پہلے عمل کرتے تھے تو اس سنت کے حاملین کون ہوئے؟ اہل جاہلیت ہی، اس لیے سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل یا صحابہ کے قول سے نہیں، کیوں کہ یہ تو سب نزول قرآن کے بعد کی باتیں ہیں بلکہ اہل جاہلیت کے اجماع وتواتر سے لی جائے گی؛ اس لیے کہ وہی قرآن سے پہلے دین ابراہیمی کی روایت کے حاملین تھے اور انھی حاملین سنت جاہلیہ کے اجماع وتواتر پر مبنی روایت ہی سے قرآنی احکام کی تفصیلات بھی متعین ہوں گی؛ انھیں قرآن سے بہ راہ راست اخذ کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔

لو! پہلے تو حدیث بھی کی عدم محفوظیت کا دعویٰ تھا؛ اب قرآن بھی ان کی ترک تازیوں کا نشانہ بن گیا ہے اور اس پر

بھی سنت جاہلیہ کے حاملین اور ان کے اجماع وتواتر کی حکومت قائم ہوگئی ہے؛ سنت نبویہ سے جان چھڑاتے چھڑاتے قرآن سے بھی جان چھوٹ گئی؛ پہلے یتوان کے خودساختہ نظریات میں سنت وحدیث رکاوٹ تھی؛ اب قرآن کا سنگ گراں بھی راستے سے ہٹا دیا گیا ہے۔

لیکن ٹھہریے! قرآنی احکام کی تفصیلات بہ راہ راست قرآن سے اخذ نہیں کی جائیں گی کیوں کہ اہل جاہلیت کا عمل ہی کافی ہے البتہ فراہی گروہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا خود ساختہ اور بے بنیاد نظریہ بہ راہ راست قرآن سے اخذ کریں اور پھر اس پر فخر کریں کہ تیرہ سو سال بعد ہم نے قرآن سے اوباشی کی سزا ڈھونڈ نکالی ہے جو آج تک کسی کو نظر نہیں آئی حالاں کہ وہ نصوص قرآنی پر مبنی ہے؛ یہ کام ماشاء اللہ! چشم بد دور جو ہم نے کیا ہے، کسی رستم سے بھی نہ ہوا ہوگا۔

اس تفصیل کی روشنی میں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کا یہ فرمان مغالطے کے سوا کیا ہے کہ ''تنقید سے بالاتر اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف کتاب وسنت ہیں۔'' (برہان، ص 37)

اس لیے کہ اہل اسلام میں سنت کا جو متعارف معنی اور اصطلاحی مفہوم ہے؛ موصوف اس کو مانتے ہی نہیں ہیں تو پھر ان کا یہ نعرہ مستانہ آنکھوں میں دھول جھونکنا نہیں ہے تو کیا ہے؟

تشریح وتعبیر کا حق کس کو حاصل ہے؟

پھر یہ بات بھی خوب ہے کہ ''ان کی تشریح وتعبیر کا حق ہر اس شخص کو حاصل ہے جو اپنے اندر اس کی اہلیت پیدا کر لے۔'' (برہان، ص 37)

اس طرح وہ اپنا تو یہ حق سمجھتے ہیں کہ قرآن وسنت کی جس طرح چاہیں، تشریح وتعبیر کریں؛ چاہے وہ تشریح وتعبیر ائمہ سلف سے کتنی ہی مختلف اور اقبال کے ان اشعار کی مصداق ہو: ع

قرآن کو بازیچہ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو کر سکتے ہیں پازند

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبریل مصطفٰی را

لیکن دوسرے مفکرین حدیث کو وہ یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں؛ چناں چہ لکھتے ہیں:

''انھیں قرآن سے بہ راہ راست اخذ کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی جس طرح کہ قرآن کے بہ زعم خود بعض مفکرین نے اس زمانے میں کی ہے اور اس طرح قرآن کا مدعا بالکل الٹ کر رکھ دیا ہے۔''

ہوسکتا ہے اس سے ان کا اشارہ ان منکرین حدیث کی طرف ہو جو انھی کی طرح احادیث کو غیر معتبر اور ماخذ شرعی نہیں مانتے؛ جب آپ اور وہ ایک ہی کشتی کے سوار، ایک ہی منہج کے حامل، ایک ہی فکر اور نظریے کے داعی، ایک ہی منزل کے راہی اور سلف کی تفسیر وتشریح دین کے یک ساں دشمن ہیں؛ اس مغایرت کے اظہار کے کیا معنی؟ اور ان پر نشتر زنی کیوں؟ اگر آپ کے اندر یہ اہلیت ہے کہ تمام ائمہ اعلام اور اساطین علم کے موقف کے برعکس سنت رسول کا تیا پانچا کر دیں؛ قرآن میں تحریف معنوی کا ارتکاب کر کے اپنے من گھڑت نظریے کو قرآن کے سر منڈھ دیں تو دوسرا منکر حدیث بھی آپ جیسی اہلیت کا مدعی ہو کر قرآن کے صلاۃ وزکاۃ کے مفہوم کو بدل ڈالے تو اس کو اس کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ بنا بریں دوسرے منکرین حدیث اور بہ زعم خود مفکر بننے والوں سے اپنے آپ کو مختلف باور کرانا بھی ایک مغالطہ انگیزی اور سراسر دھوکہ اور فریب ہے جب کہ اصل ہیں دونوں ایک ہیں: ع

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

تاہم غامدی صاحب کے اس قول سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ قرآن وحدیث کی تشریح وتعبیر کا حق صرف اسی کو حاصل ہے جو ائمہ سلف کی تشریح وتعبیر کا پابند ہو؛ اس کی تشریح وتعبیر بھی سلف کے منہج صحیح کی آئینہ دار ہو؛ گو خود ان کی تشریح وتعبیر بھی اس کے بالکل برعکس ہے۔

(جاری)